حکمتِ اقبال (۵۹)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور علومِ مروّجہ (۳)

خودی اور نفسیاتی علوم

اُوپر بارہ گھوڑوں کی ایک گاڑی کی مثال سے اس بات کی وضاحت کی گئی تھی کہ اگرچہ انسان کے اندر کئی متضاد قسم کی جبلتی خواہشات موجود ہیں تاہم انسانی شخصیت اور اُس سے سرزد ہونے والے انسانی اعمال میں وحدت، تنظیم اور خودی کے اوصاف پائے جاتے ہیں لیکن حیوان کے شعور اور اعمال میں یہ اوصاف موجود نہیں۔ حالانکہ حیوان اور انسان کی جبلتیں مشترک ہیں۔ انسان کا یہ امتیاز اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان کے اندر ایک ایسی خواہش ہے جو اُس کی تمام خواہشات کو اپنے تصرف میں رکھتی ہے اور لہٰذا بالآخر اس کے تمام اعمال وافعال کی قوت محرکہ ہے۔ مغرب میں فطرتِ انسانی پر غور وفکر کرنے والے تمام حکماء اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اس خواہش کو معلوم کرنا نہایت ہی اہم ہے یہاں تک کہ انسان کے معمہ کو حل کر لینے کے مترادف ہے' اس بات کی کوشش بھی کی ہے کہ اس کو دریافت کیا جائے۔ لیکن چونکہ ان حکماء میں سے کوئی بھی اس خواہش کا کوئی ایسا نظریہ پیش نہیں کر سکا جو انسان کی فطرت کے تمام حقائق سے مطابقت رکھتا ہو اور پوری طرح معقول اور تسلی بخش ہو، لہٰذا دنیا کے علمی حلقوں میں عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ انسان کی اس اہم خواہش کی حقیقت ابھی تک پردۂ راز میں ہے اور اس کا مطلوب ایک ایسا عقدہ ہے جو کھل نہیں سکا۔

تمام انسانی افراد کی فطرت ایک جیسی ہے اور ہر فردِ انسانی کے اندر اس کے اعمال کی قوت محرکہ بھی ایک ہی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اعمال کا حقیقی مقصود اور مدعا بھی ایک ہی ہے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ نوعِ انسانی مختلف قوموں میں بٹی ہوئی ہے۔ ہر قوم کی راہِ عمل اور منزل مقصود دوسری قوموں سے الگ ہے جس کی وجہ سے کرۂ ارض قوموں کی سیاسی رقابتوں اور مسابقتوں

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

کا اکھاڑہ اور اُن کی سرد اور گرم جنگوں کا میدان بنا ہوا ہے۔ قوموں کے اختلافات کی وجہ سے عالم انسانی آج تک دو عالمگیر جنگوں کا سامنا کر چکی ہے اور تیسری عالمگیر جنگ کی تباہیوں کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو رہی ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ افراد میں بھی بعض کا عمل ایک طرح کا ہوتا ہے اور بعض کا دوسری طرح کا۔ بعض لوگ نیکی اور شرافت کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور اس پر کاربند رہنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بعض لوگ عیاشی اور جرم پسندی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور مغربی ممالک میں بڑھتی ہوئی جنسی آزادی کے رُجحانات، طلبہ کی بے راہروی اور بغاوت اور توڑ پھوڑ کے میلانات، جو اب مشرقی ممالک میں بھی اپنا اثر اور نفوذ پیدا کر رہے ہیں، اس کی مثالیں ہیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے بعض قوموں کا رُجحان عیاشی اور بے راہروی کی زندگی کی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ اگرچہ وہ [illegible] لیکن اُن کو یقین ہے کہ یہ راستہ صحیح نہیں اور اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا لیکن وہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسی راہ پر چل نکلے ہیں کہ اس پر اور چلنے کے لیے مجبور ہیں اور اُن کو اپنے آپ پر اختیار باقی نہیں رہا۔ اس قسم کی زندگی افراد کو بھی سکون نہیں بخشتی، بلکہ جوں جوں وہ اس زندگی میں غرق ہوتے جاتے ہیں اُن کا سکون اور کم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آ جاتا ہے۔ جب وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ آگے زندگی کی راہیں مسدود ہیں۔ پھر یا تو وہ خودکشی کر لیتے ہیں یا دماغی امراض میں مبتلا ہو کر دماغی ہسپتالوں کو آباد کرتے ہیں۔

نوعِ انسانی کے اختلافات کا سبب

ان مشاہداتی حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ تمام انسانی افراد کی وہ خواہش جو اُن کے اعمال کو حرکت میں لاتی ہے ایک ہی ہے اور اس کا قدرتی اور اصلی مقصود بھی ایک ہی ہے، تاہم افراد اپنی عقل اور اپنے علم کے مطابق اس کے مقصود کو مختلف طرح سے سمجھتے ہیں اور اس کی مختلف توجیہات کرتے ہیں اور اس کی وجہ اُن کی لاعلمی ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ یہ خواہش دراصل کیا ہے، کیسی ہے اور کس چیز کے لیے ہے۔ ان حقائق سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انسان اس طرح سے بنا ہے کہ جب وہ اپنی اس مرکزی اور حکمران خواہش کے قدرتی مقصود کو نہ جانتا ہو تو ہاتھ پر ہاتھ دھر کے نکما ہو کر بیٹھ نہیں رہتا بلکہ کسی قائم مقام مقصود کو سامنے رکھ کر اس کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہو جاتا

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ہے۔ اور انسان کی ساری مصیبتوں کا باعث اس کی فطرت کا یہی پہلو ہے۔ اگر ایسا ہوتا کہ جب تک وہ اپنی عملی زندگی کے قدرتی اور اصلی مقصود کے متعلق پوری طرح سے مطمئن نہ ہو لیتا اس وقت تک اپنے عمل کو روک سکتا تو پھر نہ وہ غلط راستوں پر چلتا اور نہ اُن پر چلنے کے لیے شدید نقصانات کو مول لیتا، بلکہ خاموشی کے ساتھ علم کی روشنی اور انشراحِ صدر کا منتظر رہتا اور جب ان کا وقت آتا تو سلامتی کے صحیح راستہ پر چل نکلتا۔ لیکن افسوس کہ انسان کی فطرت اس قسم کی ہے کہ ایسا ممکن نہیں۔ یہی سبب ہے کہ قرآن حکیم نے عملِ تاریخ (العصر) کے حقائق کو شہادت میں پیش کر کے فرمایا کہ نوعِ انسانی بڑے گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو اپنی عملی زندگی کے اصل مقصود پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے مطابق اپنے اعمال کی تشکیل کرتے ہیں۔ اور دوسرے انسانوں کو ان کی زندگی کے اس اصلی مقصود (حق) کی طرف بلاتے ہیں اور اس کے راستے پر صبر سے قائم رہنے کی تلقین کرتے ہیں تاکہ اس راستہ سے بھٹک کر اپنے لیے مصیبتیں پیدا نہ کریں۔ (وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝) انسانی فطرت کے اسی پہلو کو مدِنظر رکھتے ہوئے فرشتوں نے انسان کو خلافتِ الٰہی کے عظیم الشان منصب کے لیے ناموزوں سمجھا تھا کیونکہ اسی کی وجہ سے انسانوں میں وہ عملی اختلافات پیدا ہوتے ہیں جو اُن کو فساد اور خونریزی پر آمادہ کرتے ہیں (اَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ) تاہم خدا کو معلوم تھا کہ نوعِ انسانی کے اختلافات کا دور عارضی ہوگا اور انسان کی فطرت کا ایک اور پہلو ایسا ہے جو آخر کار اس پہلو پر غالب آئے گا اور وہ پہلو یہ ہے کہ وہ علم کا پیاسا ہے۔ ہو نہیں سکتا کہ اس کا علم زود یا بدیر یہاں تک نہ پہنچے کہ وہ یہ جان لے کہ اس کی عملی زندگی کا قدرتی اور اصلی مقصود جس پر تمام نوعِ انسانی متفق ہو سکتی ہے کیا ہے۔

انسان کی فطرت کا یہ پہلو کہ وہ اپنے مقصودِ حیات کو نہ جاننے کے باوجود اپنے عمل کو روک نہیں سکتا جس طرح اُس کے خلاف کام کرتا ہے اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کسی شخص کے پاس ایک قیمتی اور عمدہ موٹر کار ہو جسے وہ حکماً اور قانوناً بیکار نہ رکھ سکتا ہو لیکن استعمال کرنے اور چلانے پر مجبور ہونے کے باوجود اسے ٹھیک طرح سے چلانا نہ جانتا ہو اور بار بار گڑھوں میں گر کر یا چٹانوں اور درختوں سے ٹکرا کر شدید حادثات سے دوچار ہوتا ہو۔ دورِ حاضر کے انسان کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ اس کو

© rasailojaraid.com

بھی قدرت کی طرف سے انسانی خودی یا انسانی شخصیت کی صورت میں ایک متاعِ نفیس و بے بہا ارزاں ہوئی ہے جو گویا ایک نادر اور نایاب کَل ہے جس کو اگر وہ ٹھیک طرح سے اور اُس کے قواعد کے مطابق استعمال کرے تو وہ اُس کو اس دنیا میں اور اگلی دنیا میں انتہائی مسرت اور راحت کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر وہ اس کَل کو ٹھیک طرح سے استعمال کرنا نہ جانتا ہو تو پھر بھی وہ اسے بیکار نہیں رکھ سکتا، بلکہ اس سے ہر حالت میں کام لینے پر مجبور ہے۔ اور اس پر دوسری مشکل یہ ہے کہ وہ فی الواقع اسے ٹھیک طرح استعمال کرنا نہیں جانتا اور اس کَل کے اُس مرکزی پرزہ سے آشنا نہیں جو اس کو صحیح طور پر صحیح راستہ پر حرکت میں لا سکتا ہے، لہٰذا وہ اُسے غلط طور پر استعمال کر کے بار بار طرح طرح کی مصیبتوں کے گڑھوں میں گر گر اور قسما قسم کے حادثات کی چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر ہلاکت سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔

فطرتِ انسانی سے متعلق مغربی حکماء کی خطرناک لاعلمی

مغرب کے حکماء فطرتِ انسانی کے متعلق اپنی لاعلمی کا پورا اعتراف کرتے ہیں اور اسے (بالخصوص طبیعاتی علوم کی غیر معمولی ترقیوں کے پیش نظر) انسانیت اور تہذیب کے لیے خطرناک قرار دیتے ہیں۔ سکنر ایک نامور ماہرِ نفسیات اپنی کتاب "سائنس اور انسانی کردار" میں لکھتا ہے:

"سائنس نے ایک غیر متوازن طریق سے ترقی کی ہے۔ آسان مسائل کی طرف پہلے توجہ کرنے کی وجہ سے اس نے بے جان قدرت پر ہمارے تصرف میں اضافہ کیا ہے لیکن ہمیں اُن سماجی مشکلات کے لیے تیار نہیں کیا جو اس سے پیدا ہوتی ہیں۔۔۔۔ قدرت کی سائنس کو آگے بڑھانے سے کچھ حاصل نہیں، جب تک کہ اس میں فطرت انسانی کی سائنس بھی بڑی مقدار میں شامل نہ ہو کیونکہ ایسی صورت میں سائنس کی ترقی کے نتائج عاقلانہ طور پر کام میں لائے جا سکیں گے۔"

الیکسس کارل جس نے نوبیل کا انعام بھی لیا تھا اپنی کتاب "انسان جو نامعلوم ہے" میں لکھتا ہے:

"انسانیت کی تعمیر ایسے اداروں کی تشکیل چاہتی ہے جہاں بدن اور روح کی تربیت تعلیم کے مختلف فکری مکتبوں کے تعصبات کے مطابق نہیں، بلکہ قوانین قدرت کے مطابق انجام پا سکے

یہی بات تو یہ ہے کہ ہماری تہذیب نے زندگی کا ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے جو زندگی کو ناممکن بنا رہا ہے۔ ۔ ۔ ۔ اس خرابی کا علاج صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ ہمیں فطرت انسانی کا گہرا علم اُس سے بہت زیادہ حاصل ہو جو اب تک حاصل ہے۔

مغرب کے نفسیاتی علوم کی خطرناک بے ربطی

انسانی اعمال کی قوت محرکہ کے متعلق دور حاضر کے انسان کی اس لاعلمی نے نہ صرف اس کے انفرادی اور جماعتی افعال کو غلط راستوں پر ڈال دیا ہے بلکہ اس کے ان افعال کے فلسفوں کو بھی جیسا کہ وہ ان کو مرتب کر سکا ہے، پراگندہ خیالات کے مجموعے بنا دیا ہے۔ انسانی افعال کے فلسفوں کو انسانی علوم (Human Sciences) کا نام دیا جاتا ہے اور ان میں فلسفہ سیاست، فلسفہ اخلاق، فلسفہ تاریخ، فلسفہ قانون، فلسفہ تعلیم، فلسفہ اقتصادیات، فلسفہ علم، فلسفہ فن، نفسیاتِ فرد اور نفسیاتِ جماعت کو شمار کیا جاتا ہے۔ ان تمام علوم کو نفسیاتی علوم (Psychological Sciences) بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ تمام علوم درحقیقت فطرت انسانی کے کسی نظریہ پر مبنی ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے علم نفسیات یا فطرتِ انسانی کے علم کی شاخیں ہیں۔ انسان کی ہر فعلیت اس کی فطرت کے منبع سے نمودار ہوتی ہے۔ لہٰذا جب تک ہم انسان کی فطرت کو نہ سمجھیں ہم اس کی کسی فعلیت کی حقیقت کو، اُس کے مبدأ اور ماخذ کو، اُس کے مقصد اور مدعا کو، اُس کی زشتی اور زیبائی کو، اور اُس کے سود و زیاں کو نہیں سمجھ سکتے۔ اور فطرتِ انسانی کو جاننے کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے اعمال کی فطری قوت محرکہ کو جانا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم انسان کی کسی فعلیت کے متعلق کسی معقول، مدلل اور منظم علمی نظریہ کی تدوین نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمیں یہ علم نہ ہو کہ انسان کے اعمال کو وجود میں لانے والی انسان کی اصلی قدرتی خواہش کیا ہے اور کس طرح سے انسان جب اُسے نہ جانتا ہو تو اس کی بعض غلط خواہشات اس خواہش کا روپ دھار کر اس کے اعمال کی حکمران بن جاتی ہیں، اور بعد میں اس کے گوناگوں مصائب کا موجب بنتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ہم انسانی اعمال کی قوتِ محرکہ کے علم کے بغیر انسان کے کسی عمل کا علم مرتب کریں گے تو ہماری کوشش اس علم کی بنیاد کو نہ جاننے کی وجہ سے ناکام ہو جائے گی اور ہمارا علم محض جہالت کا ایک مظاہرہ بن کر رہ جائے گا۔ انسانی اعمال کے مغربی علوم چونکہ انسانی اعمال کی قوتِ محرکہ کے علم کے بغیر لکھے گئے ہیں ان کی موجودہ حالت اسی قسم کی ہے۔ اس موضوع پر خود کچھ کہنے کی بجائے میں مغرب کے ایک

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

سربرآوردہ ماہر نفسیات میکڈوگل کی ایک کتاب سے بعض حوالے نقل کرتا ہوں۔ میکڈوگل لکھتا ہے:

"فطرتِ انسانی کے متعلق ہماری لاعلمی اب تک تمام انسانی اور اجتماعی علوم کے ظہور کو روکتی رہی ہے اور اب بھی روک رہی ہے۔ یہ علوم ہمارے اس زمانہ کی ایک شدید ضرورت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے بغیر ہماری تہذیب زوال بلکہ شاید مکمل تباہی کے شدید خطرہ کا سامنا کر رہی ہے۔ ہم علم نفسیات کا، علم اقتصادیات کا، علم سیاسیات کا، علم قانون کا، علم معاشرت کا اور ان کے علاوہ اور بہت سے فرضی علوم کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ لیکن سیدھی بات یہ ہے کہ یہ تمام دلکش نام فقط ہمارے علم کے خلاؤں کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ فقط ان وسیع و عریض غیر آباد بیابانوں کی دھندلی سی نشاندہی کرتے ہیں جن کی سیاحت ابھی تک نہیں کی گئی۔ لیکن یہ بیابان وہ ہیں کہ اگر ہماری تہذیب نے زندہ رہنا ہے تو ہمیں ان کو کسی قاعدے کے اندر لانا ہی پڑے گا۔ ... میرا ادعا یہ ہے کہ اپنی تہذیب کے توازن کو بحال کرنے کے لیے ہمیں انسان کی فطرت اور سوسائٹی کی زندگی کا علم (یعنی منظم کیا ہوا سائنسی علم) اس سے بہت زیادہ مقدار میں درکار ہے جو ہمیں اب تک حاصل ہے..... لہٰذا یہ ہے وہ ایک ہی طریق کار جس سے ہم اپنی تہذیب کی موجودہ غیر یقینی اور دن بدن زیادہ خطرناک ہونے والی حالت کا علاج کر سکتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے انسانی اور اجتماعی علوم کو پوری کوشش سے ترقی دے کر فطرتِ انسانی اور اس کی فعلیتوں کے سچ مچ کے علوم کی شکل دیں..... انسانی اور اجتماعی علوم کی بنیادی حقیقت دریافت کرنے اور ان کی تدوین کے طریق کار کو مہیا کرنے کی ضرورت آج اتنی شدید ہے کہ پہلے کبھی نہ تھی..... تو پھر عملی نقطہ نظر سے علاج کیا ہوا؟ اب میں اپنے جواب کو باختصار پیش کرنے کی غرض سے یہ بتاؤں گا کہ اگر میں ڈکٹیٹر ہوتا تو کیا کرتا..... میں ہر ممکن طریق سے کوشش کرتا کہ اپنی قوم کے بہترین دماغوں کو طبیعیاتی علوم سے ہٹا کر انسانی اور اجتماعی علوم میں تحقیق کے کام پر لگا دیا جاتا۔" (ورلڈ کے آس (World Chaos) صفحات ۹، ۵۹، ۱۱۲، ۱۱۵)

(جاری ہے)

© rasailojaraid
© rasailojaraid